لکھا ہے کہ نکلا علی اکبرؑ کا اِدھر دم　(۱۵)　نکلی درِ خیمہ سے ادھر زینبؑ پُرغم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم　　سر پیٹتی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و فغاں سے
اِک حشر تھا ہے ہے علی اکبرؑ کی صدا سے

چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو　(۱۶)　سیدانی ہوں رستہ مجھے للہ بتا دو
لاشہ پہ کدھر ہیں شہ ذیجاہ بتا دو　　کس ابر میں پنہاں ہے مراماہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت نہیں میں جاؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈنے نکلی ہوں پسر کو

زینبؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہِ والا　(۱۷)　دامانِ عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
فرمایا قدم گھر سے ہے کیوں تم نے نکالا　　اے بنتِ علیؑ مرگیا وہ گیسوؤں والا
ٹکڑے ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ
دیکھو گی کیسے خاک کی تصویر ہیں اکبرؑ

مرثیہ ۴۵

شہادت حضرت علی اکبرؑ

پدر کی موت ہے مرنا جوان بیٹے کا　(۱)　سفر جہان سے کرنا جوان بیٹے کا
غضب ہے خون میں بھرنا جوان بیٹے کا　　ستم ہے جی سے گزرنا جوان بیٹے کا
شباب تھا کہ شہِ مشرقین سے چھوٹے
مجھ تو بیٹو کہ اکبر حسینؑ سے چھوٹے

خدا پدر کو نہ دکھلائے مرگِ راحتِ جاں (۲) کلیجہ زخمی ہو جب دل کو پھر قرار کہاں
اُدھر تو سینۂ اکبرؑ سے گذری نوکِ سناں — لہو اِدھر ہوا چشمِ امامِ دیں سے رواں
تڑپ کے جانبِ گردوں نگاہ کی شہ نے
زمین ہل گئی اک ایسی آہ کی شہ نے

پکارتے ہوئے دوڑے مرے شہید پسر (۳) مرے جواں مرے مہ رُو مرے سعید پسر
مرے حسین مرے یوسف مرے رشید پسر — قریب ہو کہیں میداں سے یا بعید پسر
پدر پہ آج نئی واردات ہے بیٹا
خبر نہیں مجھے دن ہے کہ رات ہے بیٹا

کدھر گئے مرے گل پیرہن علی اکبرؑ (۴) مرے خلیق مرے کم سخن علی اکبرؑ
جوانا مرگ غریب الوطن علی اکبرؑ — اُجاڑ کر گئے میرا چمن علی اکبرؑ
بُلا کے گھر سے یہاں اشقیا نے لُوٹ لیا
دُہائی ہے کہ مجھے کربلا نے لُوٹ لیا

پکارتے تھے کہ اے شیر پھر پکار مجھے (۵) نہیں بتانے کے لاشہ پہ نا پکار مجھے
ترے فراق میں ہے زیست ناگوار مجھے — صدا سنا دے میں صدقے پھر اک بار مجھے
گلے لگا لو کہ سینہ ہمارا جلتا ہے
کلیجہ مُنہ سے کوئی دم میں اب نکلتا ہے

پکاری ڈیوڑھی سے بانوؑ پسر ملا کہ نہیں ( ) بتاؤ مرہمِ زخمِ جگر ملا کہ نہیں
ستم کے ابر میں میرا قمر ملا کہ نہیں — علیؑ کے لال وہ عالی گہر ملا کہ نہیں
شتاب لاؤ مرے منتوں کے پالے کو
تمہیں سے لوں گی میں اپنے مرادوں والے کو

۶
یہ ذکر تھا کہ صدا آئی دور سے ناگاہ — جنابِ قبلہ و کعبہ اب آیئے للہ
حضور حال سے بیٹے کے کیا نہیں آگاہ — زبان اینٹھ گئی ہے غلام کی یا شاہ
اکھڑ رہا ہے دم اب موت جان لیتی ہے
پکارنے کی بھی طاقت جواب دیتی ہے

۷
صدا یہ سنتے ہی سلطانِ بحر و بر دوڑے — یہ دردِ دل تھا کہ تھامے ہوئے جگر دوڑے
کبھی تو فوج پہ مانندِ شیرِ نر دوڑے — کبھی ادھر گئے روتے کبھی ادھر دوڑے
لٹی ہوئی وہ کمائی بصد تلاش ملی
زمیں پہ خون میں غلطاں پسر کی لاش ملی

۸
عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں دیکھی — عطش سے ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں دیکھی
قمر سے چہرے پہ زردی لبوں پہ جاں دیکھی — کلیجہ پھٹ گیا سینہ میں جب سناں دیکھی
پدر کے سامنے بیٹے کا دم اکھڑتا تھا
حسینؑ دیکھتے تھے اور گھر اجڑتا تھا

۹
قریبِ لاشِ پسر بیٹھ کر یہ فرماتے — زمینِ گرم سے بیٹا اٹھو کہ ہم آئے
صدا یہ سنتے ہی اکبرؑ نے ہاتھ پھیلائے — لپٹ کے لاش سے شہ لب پہ یہ سخن لائے
گلے لگا لو محمدؐ کا میں نواسا ہوں
زباں دکھا کے کہا یا حسینؑ پیاسا ہوں

۱۰
یہ کہہ کے شاہ سے کھینچی غریب نے اک آہ — جگر میں ہونے لگا درد آہ کے ہمراہ
عجیب یاس کی نظر دل سے دیکھ کر رخِ شاہ — کہا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
بس اور کہہ نہ سکے کچھ یہ حال غیر ہوا
سوئے بہشت گئے خاتمہ بخیر ہوا

رقم یہ کرتا ہے راوی بصد تلاش و ملال (۱۱) پسر کی لاش پہ غش تھے امام نیک خصال
کہ نکلی خیمہ سے اک سیّدہ پریشاں حال		منہ آفتاب سا تھا اور کھلے تھے سر کے بال

پکارتی تھی مرا نورِ عین کس جا ہے
کوئی بتا دے کہ ابن حسینؑ کس جا ہے

کنیزِ فاطمہ ہوں خادمہ ہوں سرور کی (۱۲) دکھا دو لاش مجھے اُس شہید اکبرؑ کی
وہ آفتاب ہے دولت حسینؑ کے گھر کی		شباب میں ہے قضا آئی اُس دلاور کی

ستمگرو مرا بچہ مرادوں والا ہے
میں دائی ہوں علی اکبرؑ کو میں نے پالا ہے

صدائے نالۂ زینبؑ جو شہ نے پہچانی (۱۳) قلق سے زرد ہوا رنگ روئے نورانی
ہلا کے لاش کا بازو پکارے اے جانی		اب آنکھیں کھول کے دیکھو تو گھر کی ویرانی

تمہاری ماں درِ خیمہ پہ دھاڑیں مارتی ہے
اٹھو اٹھو علی اکبرؑ پھوپھی پکارتی ہے

مرثیہ ۱۴

شہادت حضرت علی اکبرؑ

جب خیمہ میں باندھے کمر آئے علی اکبرؑ (۱) رخصت کے لئے جسم تر آئے علی اکبر
بانو کو جو آتے نظر آئے علی اکبرؑ		بولی کدھر آتے کدھر آتے علی اکبرؑ

تم صبح سے نکلے ہو مری جان کہاں تھے
اس چاند سی صورت کے میں قربان کہاں تھے